شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد رائے پوری
دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فروری 2012ء / ربیع الاول 1433ھ – جلد نمبر 4، شمارہ نمبر 2 – قیمت فی شمارہ: مبلغ 15 روپے – سالانہ ممبر شپ: مبلغ 180 روپے – تین سالہ ممبر شپ: مبلغ 400 روپے

حضرت اقدس مولانا
ارشادِ گرامی شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والا نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’مولوی حبیب الرحمٰن (رائے پوری) نے ایک بات پوچھی تھی، اس پر دل میں کچھ بیان کرنے کی اُمنگ ہوئی ہے۔ اور یہ مضمون کچھ میرا بھی نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی تصانیف کے بعض فقروں سے مستنبط ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ شاہ صاحبؒ کے کوئی خواہ مخواہ کے معتقد نہ تھے۔ شاہ صاحبؒ متأخرین میں زبردست علوم کے حامل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر معاملے میں بڑے بڑے علوم عطا فرمائے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تو یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

’’جب اللہ تعالیٰ کو زمانے میں کوئی رنگ پھیلانا ہوتا ہے، تو ویسے ہی لوگوں کو پیدا فرما دیتے ہیں اور ان کے جذبے کی وجہ سے عام نفوس (لوگوں کے دل) اُدھر کو ہی کھنچ جاتے ہیں۔‘‘

(مجلس 04/ ذی الحج 1365ھ/ 30/ اکتوبر 1946ء، بروز بدھ۔ مقام: رائے پور)

(ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 92۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

درسِ قرآن
جہاد و قتال کی اہمیت

درسِ حدیث
مجالس کی باتوں کی حفاظت

اداریہ
ملک پر مسلط سیاسی مافیا اور دینی سیاست کے تقاضے

خطبہ جمعۃ المبارک
انسانیت کی ترقی کے لیے منظم مسلمان اجتماعیت کی ضرورت

حالاتِ حاضرہ
انصاف کی تحریکات؛ توقعات اور حقائق

وفیات
حضرت مولانا نواب عشرت علی قیصرؒ کا سانحۂ ارتحال

دینی مسائل
دینی حوالے سے آپ کے سوالات کے جوابات

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616,36320707

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سیوعیتھ روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0321-5181875,5181929

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

درسِ قرآن

تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

جہاد وقتال کی اہمیت

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ ۭ وَاَمْلٰی لَھُمْ۝ (25:47) (جولوگ سیدھی راہ دیکھ لینے کے بعد پیٹھ دکھا گئے، ان کے دلوں میں شیطان نے کوئی بات بنائی ہے اور ان سے دیر کے وعدے کیے ہیں۔)

جولوگ اس سورت کی گزشتہ آیات میں قتال (جنگ) کی تشریح ہو جانے کے بعد تاویلیں کرتے پھریں اور اس فرض سے بچنے کے لیے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں، انھیں حقیقت میں شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ فرائض تو مسلمان ہونے کی شرطیں ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہونے اور رہنے کے لیے یہ شعار (خاص نشان) کی طرح ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دیتا ہے یا پابندی کے ساتھ بجا نہیں لاتا، اس کی وفاداری اس جماعت کے ساتھ پکی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس جماعت کی تنظیم میں داخل ہونے کا جو اصل مقصد ہے اور جس کے لیے نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تسلیم کرنا اور پابندی کے ساتھ بجالانا پہلی شرط ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا سے ظلم دور کیا جائے۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو۔ اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے۔ مثلاً ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہا کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدمِ توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں۔ اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ انھیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکرِ معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں، ہر ایک اُس شخص کا فرض ہے، جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

جب وہ لوگ، جنھوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز، روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے۔ انھیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آں حضرتؐ کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے، مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے۔ اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں۔ گویا وہ اپنے نماز، روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ عمل بھی کام نہ دیں گے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کوئی کاشت کار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے، ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے۔ کیوں کہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے۔ اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے؟ اس پر اگلے باقی کاموں کو سوچ لینا چاہیے۔

اسی طرح اسلام میں ایک عمل کر کے اس کے بعد دوسرا عمل نہ کیا تو پہلے سارے عمل بیکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نمازیں پڑھیں لیکن جہاد نہ کیا یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کی۔ اور مظلوموں کے ساتھ انصاف نہ کیا یا انصاف کرنے والا نظام پیدا کرنے کی کوشش نہ کی، تو سب عمل اکارت گئے۔ دنیا کا نظام اسی قاعدے پر چل رہا ہے کہ اگر ایک عمل کے بعد دوسرا زوردار عمل نہ کیا جائے تو پہلے عمل کا نتیجہ بھی ضائع چلا جاتا ہے۔ بس جہاں انسان ٹھہر جاتا ہے وہیں سب عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ زندگی چلنے اور آگے بڑھنے کا نام ہے اس میں جمود کا نام موت ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

مجالس کی باتوں کی حفاظت

عن جابرٍ قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم: المجالس بالأمانة إلا ثلاثة مجالس: سفک دمٍ حرامٍ، أو فرجٌ حرامٌ أو اقتطاع مال بغیر حق.''

حضرت جابرؓ کہتے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجلسوں میں جو باتیں کی جاتی ہیں، وہ شریک لوگوں کے لیے امانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (انھیں غیر متعلقہ لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے) لیکن تین مجلسوں کا یہ حکم نہیں: ایک وہ جس کے اندر ناحق خون کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جائے۔ دوسرے وہ جس میں زنا کا منصوبہ بنایا جائے۔ تیسرے وہ جس میں کسی کا مال مفت میں اینٹھنے کا عزم کیا جائے۔''

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب الحذر والتانی فی الامور، الفصل الثانی)

آدمی جس مجلس میں شریک ہو، لازم ہے کہ وہاں کی باتیں اپنے پاس امانت کی طرح رکھے۔ ان کو بلاضرورت ہر ایک کو بتاتا نہ پھرے۔ کیوں کہ ایک تو یہ کم ظرفی اور چھچھورے پن کی نشانی ہے، جو کسی معقول آدمی میں نہ ہونی چاہیے۔ دوسرے اس سے جھگڑا اور فساد کھڑا ہوسکتا ہے، جس کا دبانا مشکل ہوگا۔ اس سے دشمنوں کو مدد پہنچ سکتی ہے اور دوستوں کا نقصان ہوسکتا ہے۔

اس حدیث سے انسانی سوسائٹی کی اجتماعی مجالس کے حوالے سے بھی بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ انسانی معاشرے کی وہ مجلسیں، جن کا تعلق اجتماعی نظم و ضبط اور تنظیمی عمل کے ساتھ ہو۔ سوسائٹی میں ہر سطح کی مجلس کے ممبران پر لازم ہے کہ وہ اپنی سطح کی مجلس کی باتیں انفرادی طور پر نچلی سطح کے مجالس کے شریک لوگوں کے سامنے نہ بیان کریں۔ مجالس کے فیصلوں کا اعلان کرنے والے ذمہ دار افراد ہی طے شدہ امور کو آگے بیان کریں۔ ہر ایک فرد اپنی جزوی آرا کو آگے بیان نہ کرے۔

البتہ مجلسوں میں کہی جانے والی تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی مجلس میں ان سے کوئی بات سنے یا دیکھے تو اس کی اطلاع ایسی جگہ پہنچا دے، جہاں ان کی روک تھام کی جاسکے۔

1 اس میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کو جان سے مار ڈالنے کا ارادہ ظاہر کرے۔ اس وقت ضروری ہے کہ جس شخص نے اُسے سنا ہو، وہ پولیس میں اطلاع کر دے یا اس شخص سے، جس کے قتل کا ارادہ کیا گیا ہے، کہہ دے کہ فلاں شخص تمھیں قتل کرنے کی سوچ رہا ہے، ہوشیار رہنا۔ ظاہر بات ہے کہ اس بات کی مخبری کرنے میں بھلا ہی بھلا ہے۔ ایک آدمی کی جان بچ سکتی ہے اور اس سے جو فتنہ وفساد ہوتا، اسے روکا جاسکتا ہے۔

2 دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص مجلس میں کہہ دے کہ: میں فلاں عورت سے حرام کاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ زنا ایک ایسی آفت ہے، جس بھلے مانسوں کی سوسائٹی کا بچانا فرض ہے۔ زنا وہ بے حیائی ہے، جس سے بڑی بڑی خرابیاں پھیلتی ہیں۔ اس کی خبر وہاں پہنچا دینی چاہیے، جہاں اس کی روک تھام کی جاسکتی ہو۔

3 تیسری بات یہ ہے کہ کسی شخص پر ڈاکہ ڈالنے یا اس کے گھر چوری کرنے یا زبردستی اس کا مال ناحق چھیننے کا مشورہ ہو رہا ہو۔ تو جو شخص اس مجلس میں ایسی بات یا مشورہ سنے، اُسے لازم ہے کہ اس کی خبر ان لوگوں تک پہنچا دے، جو مجرمانہ فعل کے روکنے کا انتظام کر سکتے ہیں۔

ان تینوں باتوں کو سُن کر جس نے چھپایا، وہ اس کے کرنے والوں کے ساتھ جرم میں شریک سمجھا جائے گا۔

اداریہ

ملک پر مسلط سیاسی مافیا اور دینی سیاست کے تقاضے

مضبوط اور مستحکم سیاسی نظام کی وجہ سے ممالک اور اقوام، ترقی اور استحکام حاصل کیا کرتے ہیں۔ ہر مستحکم سیاسی نظام کے پس پشت ایسا نظریۂ وفکر بنیادی کردار ادا کرتا ہے، جو سوسائٹی میں عدل وانصاف، امن وامان اور معاشی خوش حالی قائم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ بلاشبہ دین اسلام کا سیاسی فکر ونظریہ، عملی سیاسی نظام، بہتر معاشی اور اقتصادی نظام اتنا اونچا اور سربلند ہے کہ قومیں اس کی اساس پر ترقی کے راستے پر گامزن ہوتی رہی ہیں۔ اس تناظر میں پاکستان کے سیاسی، معاشی نظام کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے دینی تعلیمات کی اساس پر دینی سیاست کے بنیادی تقاضوں کو سمجھنا اور اس کے مطابق شعوری دینی جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے نوآبادیاتی دور کی غلام سیاست کے ملکی سیاسی ماحول میں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں کام کرنے والی جماعتوں کو اپنے سیاسی فکر وعمل کے بارے میں بڑی سنجیدگی اور شعور کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت ہے۔

برعظیم پاک وہند پر مشتمل اس خطے میں انگریز سامراج کے تسلط اور خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہوجانے کے بعد سے دین اسلام کی آزادی وحریت پر مبنی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی قومی اور بین الاقوامی سیاست کا کردار ختم ہوکر رہ گیا تھا۔ 1920ء کے بعد جو صورت حال سامنے آئی، اس میں مسلمانوں پر مشتمل علاقوں کا عمومی سیاسی کردار بالادست سیاسی طاقتوں کے زیر اثر رہا۔ نوآبادیاتی دور میں عالمی سرمایہ داری قوتوں کے مقاصد کے تحت ''سیاسی اسلام'' یا ''اسلامی سیاست'' کے تصورات پیش کیے گئے۔ اس دور میں سیاسی تقاضوں کے تحت اسلام کو استعمال کرنے کا تصور غالب رہا۔ آزادی کے بعد آج بھی ملکی سیاست کا ماحول غلامی کے زمانے کی سامراجی سیاست کا تسلسل ہے۔ غلام دور میں پیدا کیے گئے سیاسی طبقات سوسائٹی پر مسلط ہیں۔ غدار خاندانوں کے چشم وچراغ ملکی سیاست کے سیاہ وسفید کے مالک بن چکے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب کی بنیاد پر کیا جانے والا سیاسی عمل بھی سامراجی سیاست کے اثرات سے آزاد نہیں ہے۔ حال آں کہ دین اسلام کی تعلیمات اپنا ایک مستقل سیاسی نظریہ اور بہترین سیاسی نظام رکھتی ہیں۔ اس طرح سیاست کے نام پر ملک میں جتنی سرگرمیاں جاری ہیں، وہ نوآبادیاتی دور کی صدائے بازگشت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسی اساس پر ملک کا سیاسی نظام انتہائی فرسودہ، غلامانہ ذہنیت کا حامل اور غیر ملکی آقاؤں کے مفادات کا آلۂ کار بن کر کام کر رہا ہے۔

ایسے ماحول میں دین اسلام کی تعلیمات کے حوالے سے فکری اور عملی سیاسی تقاضوں کو سمجھنا اور اس کے مطابق دینی فکر وعمل پر مبنی کردار ادا کرنا، وقت کا تقاضا ہے۔ خاص طور پر دین کے حوالے سے کام کرنے والی جماعتوں کو اپنی اس دینی اور سیاسی ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھنا ضروری ہے۔ دین اسلام کی سیاسی تعلیمات، آزادی اور حریت پر مبنی سیاسی کردار کا تقاضا کرتی ہیں۔ ایسے کردار کی حامل جماعت مسلمانوں کی ایک ایسی ''جمعیت'' رہی ہے، جس نے مسلمانوں کے تقریباً تمام فرقوں اور جماعتوں کو اپنے دائرے میں شامل کر کے ایک اجتماعی سیاسی طاقت پیدا کی۔ علمائے ہند کی اجتماعیت نے 1920ء میں اپنے قیام کے بعد سے برعظیم پاک وہند میں ایک ایسا قومی سیاسی کردار ادا کیا، جو آزادی وحریت، امن وامان، عدل وانصاف، معاشی خوش حالی اور ترقی کا ضامن تھا۔ صحیح دینی سیاست کا کردار اس جماعت کے آئینے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ دور کے سیاسی تقاضوں کو سمجھنے میں اس جماعت نے بڑا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

دینی سیاست کے حوالے سے کردار ادا کرنے والی جماعتوں کے لیے ضروری ہے کہ اس جماعت کے سیاسی فکر وعمل اور کردار کے تناظر میں سیاسی افکار ونظریات، اجتماعی کردار اور قومی سیاست کے تقاضوں کو سمجھیں۔ بڑی بدقسمتی ہے کہ آج دینی سیاست کرنے والی جماعتیں، فرقہ وارانہ شناخت کے ساتھ سیاست کر رہی ہے۔ دیوبندی حضرات کی سیاسی جماعت الگ ہے۔ بریلوی حضرات کا سیاسی پلیٹ فارم الگ کام کر رہا ہے۔ اہل حدیث حضرات کی الگ سیاسی شناخت ہے۔ دیگر چھوٹے فرقے اپنی مذہبی شناخت کی بنیاد پر الگ سے دینی سیاست کے دعوے دار ہیں۔ جب کہ علمائے ہند کی اجتماعیت کی یہ خوبی تھی کہ وہ تمام فرقوں کی اجتماعیت پر مشتمل تھی۔ ویسے یہ بھی بڑی عجیب سیاست ہے کہ امن وامان، عدل وانصاف اور معاشی ترقی ایسے سیاسی مقاصد کو صرف اپنے فرقے اور گروہی شناخت رکھنے والوں کے لیے مخصوص کرلیا جائے۔ ایسا کرنا خود لفظ ''سیاست'' کی توہین ہے۔

دینی سیاست کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسے بلاتفریق رنگ ونسل اور مذہب اختیار کیا جائے۔ اس میں فرقہ وارانہ شناخت کو اہمیت نہ دی جائے۔ ایک مخصوص طریقۂ تعلیم کے لیے اسکول اور مدرسہ تو قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن کسی مدرسے اور سکول کی اساس پر سیاسی جماعت نہیں بنائی جاتی۔ اس لیے کہ سیاست ہمیشہ غیر فرقہ وارانہ فکر وعمل کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسرا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ دینی سیاست کے لیے قومی نقطہ نگاہ سے شعور پیدا ہونا چاہیے۔ اس دھرتی کے ملکی اور علاقائی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ غیر ملکی مفادات کے تحت دینی سیاست کو استعمال کرنے سے باز رہا جائے۔ عالمی سامراجی مفادات کا ادراک کر کے اس کے بارے میں مزاحمتی سوچ اجاگر کی جائے۔ ایسی حکمت عملی سے یہ عمل سرانجام پانا چاہیے، جس سے ہمارا ملک اور خطہ بتدریج عالمی سرمایہ دار قوتوں کے اثر سے نکلنے اور مکمل آزادی وحریت کے ساتھ ترقی اور استحکام حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔

تیسرا تقاضا یہ ہے کہ دینی سیاست کا عمل جمہوری تقاضوں کے تناظر میں ہونا چاہیے۔ حقیقی جمہوری تقاضوں کے مطابق مسلمان جمہور کی سیاسی تربیت کرنے کی ضرورت ہے۔ ملک وقوم کے سلگتے ہوئے سیاسی ومعاشی مسائل کے ایسے دینی حل کی جانب رہنمائی دی جائے، جس سے پسے ہوئے طبقات اور باشعور لوگ، دینی سیاست کو اپنے دل کی آواز سمجھیں۔ وہ اپنی غربت و افلاس کو دور کرنے، امن وامان کے حصول کے لیے دینی تعلیمات سے وابستگی کو شعوری طور پر قبول کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ذاتی، خاندانی اور گروہی عصبیت سے اوپر اٹھ کر ادارہ جاتی نظام کے تحت اپنے اندر نظم وضبط اور ڈسپلن کو فروغ دیا جائے۔ بے کار کے مجمعے اور بھیڑ اکٹھے کرنے کی بجائے منظم اور باشعور افرادی قوت کو ادارہ جاتی نظام کے تحت آگے بڑھانے کے لیے انتہائی سنجیدگی سے کام کیا جائے۔ جمہوری اور مشاورتی سوچ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے تناظر میں سمجھا جائے۔ مشاورت اور جمہوریت کے مقابلے پر خلافت کے نام پر آمریت اور شہنشاہیت کی سوچ کو مسترد کر دیا جائے۔ اس دور میں دین اسلام کا نام لے کر جمہوری تقاضوں کی نفی کرنا بیمار ذہنیت کا شاخسانہ اور سامراجی تصورات کے تحت ہے۔ اس لیے اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

سامراجی سیاسی سوچ اور اس کے منفی کردار سے نکلنے کا واحد راستہ دین اسلام کی سچی تعلیمات کی روشنی میں غیر فرقہ وارانہ اور قومی جمہوری فکر وعمل پر شعور پیدا کرنے کا ہے۔ دینی سیاست کے لیے کام کرنے والی جماعتیں سامراجی سیاست کے لیے اسلام کو استعمال کرنے کی بجائے اس کی سچی تعلیمات کی روشنی میں سیاسی کام کو آگے بڑھانے کے لیے حقیقی معنوں میں شعوری جدوجہد اور کوشش کریں۔ اسی سے دین اسلام کا غلبہ ممکن ہے۔

مدیر اعلیٰ

خطبہ جمعۃ المبارک

انسانیت کی ترقی کے لیے منظّم مسلمان اجتماعیت کی ضرورت

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 14رجنوری 2011ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: محمد طفیل

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (70:17)

و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ”کانت بنو اسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلّما ھلک نبیّ خلفہٗ نبیّ آخر. ألا! لا نبیّ بعدی، سیکون خلفاء، فیکثرون.“ (رواہ البخاری) صدق اللّٰہ العظیم و صدق رسولہ النّبیّ الکریم.

معزز دوستو! انسانیت کی عزت وتکریم کے لیے اللہ رب العزت نے انبیاؑ کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ اللہ کو مخلوقات میں سے انسان بہت محبوب ہے۔ اور اس کی محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کے لیے رہنمائی کا ایسا بنیادی ضابطہ اور قاعدہ انبیاؑ کے ذریعے سے دنیا میں نازل کیا گیا ہے، جس کی اساس پر انسانی معاشرے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی کے بہت سے مراحل ہیں۔ سب سے اہم ترین مرحلہ دنیا میں پچاس ساٹھ سال کی زندگی ہے۔ زندگی کا یہ اہم ترین مرحلہ وہ ہے کہ جو بنیاد بنتا ہے دنیا میں بھی کامیابی کی اور آخرت میں بھی کامیابی کی۔ موت کے بعد انسانیت کا سفر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ایک نئے مرحلے میں داخل ہو کر ایک طویل اور لمبے سفر پر آگے بڑھنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسانیت نہ صرف اپنی دنیا کی زندگی میں فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی ہے، بلکہ اس کی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آخرت کے مراحل میں بھی کامیابی کے لیے انتہا درجے کی جدوجہد اور کوشش کرے۔ انسان کے علاوہ باقی جتنی بھی مخلوقات ہیں، ان کا دائرہ محدود ہے۔ انسان کے قریب ترین مخلوق حیوانات ہیں، اور حیوانات کے اعمال وافعال، اس کے اثرات و نتائج زیادہ سے زیادہ موت تک ہیں۔ انسان، جو اشرف المخلوق ہے، اس کا سفر موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مخلوق زیادہ جامع، پیچیدہ نوعیت اور اپنی زندگی کے طویل ترین مراحل میں سفر کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کر رہی ہے، اسے اپنی زندگی کے تمام مراحل کے لیے مسلمہ اصولوں کی ضرورت ہے۔

انبیا علیہم السلام دراصل ایسی ہی تعلیم لاتے ہیں کہ جس کا اثر نہ صرف اس کی دنیوی کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، بلکہ آخرت کی کامیابی کی شکل میں بھی ہو۔ اسی لیے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات باقی تمام تعلیمات اور افکار ونظریات کے مقابلے میں زیادہ جامع ہوتی ہیں۔ وہ انسانی زندگی کے جملہ مراحل کے بارے میں رہنمائی دیتی ہیں۔ دنیا کے دیگر افکار ونظریات، تصورات وخیالات ایک محدود دائرے کے بارے میں تو رہنمائی دے سکتے ہیں، کسی ایک پہلو کے بارے میں انھوں نے کچھ زیادہ تحقیق کی ہو اور اس کے بارے میں رہنمائی دیں گے۔ لیکن انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی تکمیل کے لیے ایک مکمل نظام، قاعدے اور ضابطے کی ضرورت ہے۔ یہ ضابطہ اور نظام، دین اسلام کی تعلیمات بیان کرتی ہیں۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ اس انسان کے اندر ایک روح ہے اور ایک جسم۔ انسان، روح کے بغیر انسانیت کی صنف میں شامل نہیں ہوتا اور نہ ہی جسمانی اظہار کے بغیر نوع انسانیت کا حصہ بنتا ہے۔ اس کا جسم بھی اس دنیا میں بقا کے لیے ضروری ہے اور اس کی روح بھی لازمی اور ضروری ہے۔ روح جسم سے جدا ہو جائے تو یہ جسم زمین کے نیچے دفن کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور خالی روح، انسانی دُنیوی زندگی کے اندر اپنا کوئی کردار ادا نہیں کرتی۔ اب اس کے جسم کی ترقی کے لیے بھی ضابطوں اور قوانین کی ضرورت ہے۔ اور اس کی روح کی تکمیل کے لیے بھی قاعدے اور ضابطوں کی ضرورت ہے۔ دونوں چیزیں بیک وقت ہوں گی تو دراصل نوع انسانی کامیابی کے تمام مراحل طے کرے گی۔ اس لیے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات، ان دونوں پہلوؤں کے حوالے سے بنیادی طور پر رہنمائی دیتی ہیں۔ جسم کی ترقی اور کامیابی کے لیے جو قوانین اور ضابطے بنائے جائیں، وہ ایسے ہونے چاہئیں، جو اس کی روح کی بھی تکمیل کریں اور روح کی تکمیل کے لیے جو قاعدے اور ضابطے بتلائے جائیں، وہ ایسے ہونے چاہئیں جو اس کی جسمانی ضروریات کی بھی تکمیل کریں۔ محض روح کی تکمیل کی بات کرنا یا محض جسم کی تکمیل کے لیے قوانین بیان کرنا اور صرف ان میں سے کسی ایک کے مسائل کے حل کرنے کے لیے بات کرنا یک طرفگی ہے۔ یہ نوع انسانیت کی بنیادی ساخت سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔

اس لیے دین کی تعلیمات میں تین بڑے بنیادی شعبے ہیں: ایک شریعت کا۔ شریعت ایسے قانون اور احکامات کا مجموعہ ہے، جو انسانی جسم کو نشوونما اور ترقی دینے کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ یہ قوانین اس کے جسم کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی روح کی کامیابی کے لیے بھی رہنمائی دیتے ہیں۔ اسی طریقے سے انسانی روح کی تکمیل کے لیے، اس کے مسائل کے حل کرنے کے لیے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات میں دوسرا اہم ترین شعبہ تزکیۂ قلوب کا ہے۔ جسے ”طریقت“ کہا جاتا ہے۔ انسانی روح کیا ہے۔ اس کے مسائل کیا ہیں۔ اس میں ممکنہ پیچیدگیاں کون سی ہیں۔ یہ روح نارمل حالت پر کیسے آئے گی۔ اس کے قاعدے اور ضابطے کیا ہیں۔ اولیاء اللہ، صوفیائے کرام، طریقت کے ماہرین اس کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر روح کی تکمیل کے لیے رہنمائی دیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ روح کی تکمیل کا یہ عمل یک طرفہ نہ ہو، بلکہ روح کی تکمیل اُسی وقت ہوگی، جب جسم کے تقاضے بھی اس کے ساتھ ساتھ پورے ہوں گے۔ چناں چہ ان حضرات نے روح کی ترقی اور اس کی کامیابی کے ساتھ ساتھ اس کی جسم کی تکمیل کے لیے بھی رہنما اصول، ضابطے اور قاعدے بتلائے ہیں۔ گویا کہ طریقت انبیاؑ کی تعلیمات کا وہ بنیادی حصہ ہے، جو روح کے مسائل کی نشان دہی کرتا ہے۔ قلب کے امراض کی واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔ نفس انسانی اس کی حقیقت وماہیت، اس کے اثرات اور پھیلاؤ، اس کے نتیجے میں انسان میں ہونے والی تغیرات وتبدلات کا شعور دیتا ہے اور اس کی تربیت اور تزکیے کے ذریعے سے روح اور جسم کی ترقیات کی منازل طے کراتا ہے۔

اب تیسرا اہم ترین شعبہ ہمارے سامنے اور آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی جسم کے لیے شریعت کی پابندی لازمی ہے۔ اور روح کی ترقی کے لیے طریقت کے بنیادی اساسی اَخلاق پر عمل کرنا لازمی ہے۔ ان دونوں کو باہم ملا کر انسانی سماج کی مجموعی شکل وصورت کیسے قائم ہوگی، اس کے لیے انبیاؑ کی تعلیمات کا ایک اہم شعبہ سیاست کا ہے۔ سیاست نبویؐ دراصل انسانی روح اور جسم کے عملی نظام کا نام ہے۔ وہ عملی نظام، جو انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے حوالے سے رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے تمام انبیا کی تعلیمات میں اس کو دینی حیثیت حاصل ہے۔ ابھی خطبے میں حدیث پڑھی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کانت بنو اسرائیل تسوسھم الأنبیاء“ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا کرتے تھے۔ اور یہ انتہا اہم ترین عمل تھا کہ ”کلّما ھلک نبیّ“ جب بھی ایک نبی دنیا سے اپنی طبعی زندگی پورا کر کے دنیا

سے تشریف لے جاتے تو "خلفۂ نبیّ آخر" دوسرے نبی ان کا قائم مقام بن کر ان کی جگہ آجاتے۔ اور وہ اسی سیاسی عمل کو، جو پہلے سے ایک نبی نے شروع کیا ہوتا تھا۔ اسے آگے بڑھانے کے لیے کام کرتے تھے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تو آخری نبی ہیں۔ اگر انبیاؑ کا کام سیاست کرنا ہے تو آخری نبی کے دنیا سے جانے کے بعد میں سیاست کا کیا ہوگا۔ کیا اس کے بعد سیاست نہیں ہوگی۔ حضورؐ نے اسی حدیث میں فرمایا: "الا! لا نبیّ بعدی" میرے بعد نبی تو کوئی نہیں آئے گا "سیکون خُلفاء" میرے بعد میرے خلفا ہوں گے۔ اور خلافت کا بنیادی کام نبوت کی اساس پر شریعت، طریقت اور سیاست کا جامع نظام قائم کرنا ہے۔

''سیاست'' کیا ہے؟ اسے سمجھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ غلامی کے زمانے میں دو اڑھائی سو سال انگریز سامراج کا اس خطے پر تسلط رہا ہے۔ اس عرصے میں لفظوں کی ساخت اور اصطلاحات کے مفاہیم بدل دیے گئے۔ ''سیاست'' کا لفظ اتنا بدنام کر دیا گیا کہ آج ایک مسلمان دین کے حوالے سے سیاست کے لفظ کو سننا ہی نہیں چاہتا۔ سیاست کی بات کی جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاید کوئی غیر دینی بات کی جارہی ہے۔ حال آں کہ سیاست دراصل انبیا کا عمل ہے۔ "تسوسھم الأنبیاء" انبیا سیاست کرتے تھے۔ سیاست عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں جو کیاں، کوتاہیاں، نقائص، کمزوریاں ہیں، انھیں درست حکمت عملی کے ذریعے سے دور کرنا۔ اجتماعی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے مسائل اور نقائص کو دور کر کے تکمیل اور ترقی کے راستے پر گامزن کرنا۔ اسی طرح انسانی نفس کے تزکیے کے حوالے سے روح کی خرابیوں کو دور کر کے اس کو ترقی کے راستے پر گامزن کرنا۔ انسانیت، جو روح اور جسم کا مجموعہ ہے، اس کی مجموعی ترقی کے لیے جو عمل کیا جاتا ہے، وہ سیاست کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیاست انسانی سماج کی مجموعی فلاح و بہبود کے لیے بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

جب سیاسی عمل شروع ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت بحیثیتِ مجموعی اپنی سماجی زندگی کے حوالے سے ترقی کرے۔ اب سماج کیا ہے، اجتماع کیا ہے، معاشرہ کسے کہتے ہیں۔ انسان کا بنیادی طبعی تقاضا یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے مل جل کر رہے۔ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ اُنس و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ یہ اس کی انسانیت کا لازمی تقاضا ہے۔ اب دوسرے انسانوں کے ساتھ جب بھی قدم بہ قدم انسان مل کر رہے گا، تو اسے سماجی اور معاشرتی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔

ہر انسان دوسرے انسان سے معاملات کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے۔ باہمی حقوق کے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ فرائض کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ حقوق و فرائض کی ان ذمہ داریوں کو مجموعی طور پر کیسے سمجھا جائے اور کیسے سرانجام دیا جائے، اس کی حکمت عملی ترتیب دینا، اس کا سسٹم بنانا، اس کے نظم و ضبط اور تنظیم کے عمل کو آگے بڑھانا، یہ سیاست ہے۔ سیاست دراصل انسانی زندگی میں نظم و ضبط، ڈسپلن، سسٹم، تنظیمی عمل، اجتماعیت کو فروغ دینے کا دوسرا نام ہے۔ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا یہ تیسرا اہم ترین پہلو ہے۔ گویا کہ مجموعی طور پر انسانیت کی ترقی کے لیے یہ تینوں شعبے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ شریعت کے ذریعے سے قانون اور ضابطہ واضح ہوتا ہے۔ طریقت کے ذریعے سے اس کی روح کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اور سیاست کے ذریعے سے اس کا عملی نظام قائم کیا جاتا ہے۔ تینوں چیزیں بیک وقت مجموعی طور پر پائی جائیں تو نوع انسانیت، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ترقی کرتی ہے۔

قرآن حکیم نے کہا: ہم نے اس انسانیت کو عزت دی، اس کا احترام پیدا کیا۔ اس کو تکریم دی، اور تکریم انسانیت احترام آدمیت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے معاشرے میں شریعت کا بنیادی قانون اور ضابطہ موجود ہو، جو احکامات و قواعد نوع انسانی کے فلاح و بہبود کے ہوں، سوسائٹی میں غالب آئیں۔ تکریم انسانیت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی روح بداَخلاقیوں سے پاک ہو۔ اعلیٰ اَخلاق کی حامل ہو۔ اس میں سچائی، عدل، جرأت، ہمت، سخاوت، انسانیت کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔ اور بداَخلاقیاں، ظلم، بددیانتی، انسانیت دشمنی، بخل وغیرہ، تمام بداَخلاقیاں اس میں سے دور ہوں۔ یہ انسانیت کی ترقی کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طریقے سے اس کی فطرت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ایسا سیاسی نظام تشکیل دیا جائے کہ نظم و ضبط اور ڈسپلن کے ذریعے سے اس کی مجموعی ترقی اور فلاح و بہبود کی حکمتِ عملی بنائے۔ اس کو کامیابی کے راستے پر گامزن کرے۔ اس کے جسمانی طبعی ضروریات کی تکمیل اور ترقی کے لیے معروضی حقائق کے تناظر میں، نئی ایجادات اور دریافتوں کا استعمال کر کے انسانی جسم کی مشکلات اور کمزوریاں دور کرنے کی حکمت عملی ترتیب دی جائے۔

عقل انسانی ادراکات کی بہت سی منزلیں طے کرتی ہے۔ اب یہ جو نئی دریافتیں ہیں، نیا ماحول ہے، نئی ایجادات ہیں، نئے تعلقات ہیں۔ ان کو دینی نقطہ نگاہ سے عدل و انصاف کے اصول پر کیسے قائم کیا جائے، اس کی حکمتِ عملی ترتیب دینا، ہر دور کے معروضی تقاضوں، ہر دور کے روح عصر و مسائل کے مطابق ضروری ہے۔

عقل انسانی ادراکات کی بہت سی منزلیں طے کرتی ہے۔ اب یہ جو نئی دریافتیں ہیں، نیا ماحول ہے، نئی ایجادات ہیں، نئے تعلقات ہیں۔ ان کو دینی نقطہ نگاہ سے عدل و انصاف کے اصول پر کیسے قائم کیا جائے، اس کی حکمتِ عملی ترتیب دینا، ہر دور کے معروضی تقاضوں، ہر دور کے روح عصر و مسائل کے مطابق ضروری ہے۔ سیاست روحِ عصر کے مطابق انسانی زندگی کے مسائل کے حل کرنے کے لیے طریقہ کار وضع کرتی ہے، اسی طرح اس کی روح تغیر پذیر ہے۔ اس کا دل و دماغ، اس کے سوچنے سمجھنے کے انداز و اسلوب، گرد و پیش میں ہونے والی نئی دریافتوں کی وجہ سے مختلف دائروں میں گردش کرتے ہیں۔ اس قلب کے اندر عدل کے جذبے کو راسخ کرنا، اس دل و دماغ کے اندر جرأت اور ہمت پیدا کرنا، اس کے نفس کے اندر سخاوت کے بنیادی خلق کو برقرار رکھنا، انسانیت دوستی کے بنیادی اَخلاق کو اس کے اندر راسخ کیے رکھنا، بدلتے ہوئے تمام تغیرات کے تناظر میں، اس کے اندر اللہ اور رسول کی محبت پیدا کیے رکھنا، طریقت کے حوالے سے ضروری ہے۔ سیاست ایسی حکمتِ عملی ترتیب دیتی ہے کہ بحیثیت مجموعی انسانیت کے اَخلاق بگڑنے نہ پائیں۔ اس کی روح کی خرابیاں، امراض کی شکل اختیار نہ کریں، بلکہ اعلیٰ اور عمدہ اَخلاق اس کے اندر پیدا ہوں۔ دنیا میں بہت سے معاشرے ہیں، جو انقلابات برپا کرتے ہیں۔ بہت سے افکار و نظریات ہیں، جو تبدیلی لائے ہیں، لیکن ان کی تبدیلی کا دائرہ بڑا محدود ہوتا ہے۔ کسی نے صرف سیاسی تبدیلی برپا کی، کسی نے محض معاشی انقلاب برپا کیا۔ کسی نے صرف تہذیبی اور ثقافتی تبدیلی کو پیش نظر رکھا۔ دین اسلام کی تعلیمات محض سیاست، صرف شریعت اور طریقت کی الگ الگ رہنمائی نہیں دیتیں، بلکہ جامعیت کے طور پر ان تمام شعبوں کو لے کر سوسائٹی میں ایک کامل اور مکمل انقلاب پیدا کرتی ہیں۔ مکمل تبدیلی لاتی ہیں۔ وہ بیک وقت شریعت کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کی

بنیاد پر سسٹم تشکیل دیتی ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ انسانی روح کی تکمیل کے لیے تزکیے کے قوانین اور ضابطے واضح کرتی ہیں۔ پھران دونوں پر بھی عمل درآمد کی سیاسی حکمتِ عملی واضح کرتی ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات انسانی معاشرے میں بہترین سیاسی، معاشی، اقتصادی اور عمرانی نظام قائم کرنے کی حکمتِ عملی ترتیب دیتی ہے۔اس کے ہاں تقسیم کا کوئی عمل نہیں ہے۔ باقی دیگر مذاہب کے لوگ صرف اپنے معاشرے کی ترقی کے لیے کام کرتے ہیں، لیکن دین اسلام کی تعلیمات کو ماننے والا مسلمان صرف اپنے خاندان، اپنی نسل، محض اپنی قوم ہی نہیں، بلکہ کل انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل و مذہب تمام کے انسانی حقوق ادا کرنے کے لیے کردار ادا کرتا ہے۔ وہ صرف دنیا میں ہی کامیابی کے نظریے سے نہیں، بلکہ موت کے بعد آخرت کے مراحل میں بھی کامیابی کے لیے کردار ادا کرتا ہے۔اس کے پیش نظر زندگی کا دائرہ بہت محدود نہیں ہوتا۔اس کے نزدیک زندگی بڑی وسیع ہے۔ زندگی کا سفر بڑا لمبا ہے۔ زندگی کے تمام مراحل میں دین اسلام کی تعلیمات نوع انسانیت کی کامیابی کے لیے رہنما اصول دیتی ہے۔ طریقۂ کار وضع کرتی ہے۔حکمتِ عملی ترتیب دیتی ہے۔

دین اسلام کی یہ وہ جامعیت ہے، جسے مسلمان جماعت کو سمجھنا ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے۔اسے اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ دنیا کے دیگر تمام افکار و نظریات، وہ انسانیت کے لیے کتنے ہی بہتر کیوں نہ ہوں، وہ سطحی ہیں یا طرفگی کے حامل ہیں۔ کسی ایک پہلو کو لیے ہوئے ہیں۔ جامعیت کے حامل نہیں۔ دین اسلام وہ واحد دین ہے، محمد مصطفیٰ پر نازل ہونے والا ہے، قرآن حکیم اور اس کے احکامات وضوابط، ایسی جامعیت لیے ہوئے ہیں، جو انسانی زندگی کی جملہ پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی دیتے ہیں۔اس کا یقین مسلمان کے دل و دماغ میں پیدا ہونا چاہیے۔اس کی تربیت اور مہارت اس کے اندر منتقل ہونا، اس کے حوالے سے اس پر جو ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کے لیے اسے کردار ادا کرنا، یہ اس کی زندگی کا لازمی تقاضا ہونا چاہیے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے شریعت کے وہ بنیادی فرائض واحکامات معلوم ہوں، جو انسانی سوسائٹی کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ تربیت اور تزکیے کے وہ اعلیٰ اَخلاق اس کی زندگی کا حصہ بنیں، عدل، سخاوت، انسان دوستی، انسانی حقوق کی ادائیگی کے عمدہ اَخلاق، اس کی زندگی کا حصہ ہوں۔اس کی مہارت اس کے اندر پائی جائے اور پھر اسی کے ساتھ سیاسی حکمتِ عملی، سیاسی شعور، اقتصادی شعور، سماجی زندگی کی تشکیل کا بنیادی شعور، اس کی زندگی کے اندر ہونا چاہیے۔ کہ حکمتِ عملی اور طریقۂ کار کیا ہے۔ دین کے غلبے کے لیے ہر دور کی معروضی سیاست کیا ہونی چاہیے اور معاشی سسٹم کی تشکیل کا عمل کیسے ممکن ہے؟ اس کے لیے ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے؟ اس کا شعور اس کے اندر موجود ہونا چاہیے۔ وہ سمجھ سکے کہ اس کے گردوپیش میں اس کے اعلیٰ اَخلاق اور انسانیت کو ترقی کے راستے کی رُکاوٹ پیدا کرنے والا سسٹم کون سا ہے، فکر کون سا ہے۔ نظریہ کون سا ہے، کون سی سامراجی اور طاغوتی سازش ہے، جو دراصل انسانیت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر رہی ہے۔ انسانیت دشمنی کا کردار ادا کر رہی ہے۔اس کی سیاسی عقل، اس کو رہنمائی دے، آگے بڑھنے کی صلاحیت اس کے اندر پیدا کرے۔ جذبہ پیدا کرے، اس کی معاشی اور اقتصادی صلاحیت، سوسائٹی کی مجموعی اقتصادی اور معاشی ترقی کے لیے بنیادی کردار ادا کرے۔اس کے بارے میں اس کو رہنمائی دے۔

مسلمان جماعت ان تینوں دائروں میں اپنے اندر صلاحیت، مہارت، استعداد کا مظاہر ہونا چاہیے۔شریعت کے بنیادی قوانین اور ضابطوں سے آگاہ ہو۔اس لیے تمام فقہا نے لکھا ہے کہ: ہر مسلمان پر فرض ہے کہ دین کے ایسے بنیادی احکامات وضوابط، جو فرائض کے درجے کے ہیں، مسلمان کو معلوم ہونے چاہئیں۔ایک تاجر ہے تو تجارت کے اصول محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیا بیان کیے ہیں۔اس کو معلوم ہونے چاہئیں۔ایک آدمی کاشت کار ہے تو زراعت کے اصول، فرائض، ذمہ داریاں نبی اکرمؐ نے کیا بیان کیں، اسے معلوم ہونی چاہئیں۔ایک آدمی وکیل ہے یا کفیل ہے، اس کو وکالت اور کفالت کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوٹوک ہدایات اس کو معلوم ہونی چاہئیں۔ باقی شعبوں کے بارے میں پورا علم نہ بھی ہو، لیکن جس شعبے میں آپ کام کر رہے ہیں، اس کے فرائض کا جاننا ضروری ہے۔اسی لیے مسلمان جماعت پر شریعت کے فرائض اور ذمہ داریوں کو حاصل کرنا، اس میں تفقہ پیدا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔اسی طریقے سے اسے طریقت کے بنیادی اعلیٰ اَخلاق اس کے اندر آنے چاہئیں۔عدل وانصاف ہے، سخاوت ہے، ہم دردی ہے، خیر خواہی ہے۔انسانیت کے لیے کام کرنا ہے، تکبر سے بچنا ہے، جھوٹ سے بچنا ہے، سچائی پیدا کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان اعلیٰ اَخلاق سے اسے واقفیت ہو، بلکہ اس کے اندر یہ پیدا بھی ہونے چاہئیں۔

> دین اسلام کی تعلیمات محض سیاست، صرف شریعت اور طریقت کی الگ الگ رہنمائی نہیں دیتیں، بلکہ جامعیت کے طور پر ان تمام شعبوں کو لے کر سوسائٹی میں ایک کامل اور مکمل انقلاب پیدا کرتی ہیں۔ مکمل تبدیلی لاتی ہیں۔وہ بیک وقت شریعت کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کی بنیاد پر سسٹم تشکیل دیتی ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ انسانی روح کی تکمیل کے لیے تزکیے کے قوانین اور ضابطے واضح کرتی ہیں۔ پھران دونوں پر بھی عمل درآمد کی سیاسی حکمتِ عملی واضح کرتی ہے۔

اسی طریقے سے اس کا سیاسی شعور، معاشی اور اقتصادی شعور، یہ حکمتِ عملی بنانے کا عمل، وہ اس کے اندر اتنا بہتر ہو کہ وہ کسی کے دھوکے میں نہ آئے۔ کسی سامراجی طاغوتی نظام کا آلہ کار نہ بنے۔ کسی مکر وفریب میں دشمن کے لیے کردار ادا نہ کرے۔ بلکہ وہ عقل وشعور اور فہم وبصیرت کے ذریعے سے، جو دنیا کے تمام افکار وخیالات، مکر وفریب پیدا کرنے والے سامراجی اور طاغوتی سیاسی، معاشی نظاموں سے برأت کا اعلان کردے۔اس کی سیاسی عقل، انسانی مسائل کے حل کرنے کے لیے رہنمائی دینے والی ہو۔اس کی معاشی عقل سوسائٹی کی اقتصادی فلاح و بہبود کے لیے کردار ادا کرے۔ یہ صلاحیت پیدا کرنا، مسلمان جماعت کی ذمہ داری ہے۔ بحیثیتِ مجموعی جماعت کے اندر ایسے تربیت یافتہ افراد کا ہونا لازمی اور فرضِ کفایہ ہے۔اور جو جس شعبے میں کام کر رہا ہے، اس شعبے کے امور کی تربیت حاصل کرنا فرضِ عین ہے۔اس کے لیے کوئی چھوٹ نہیں ہے۔ یہ مسلمان جماعت ہے۔

آج بڑی ضرورت ہے کہ دین کے ان تینوں شعبوں کے بنیادی رہنما اصول، اعلیٰ اَخلاق، اس کا بنیادی سسٹم، اس کا فہم وشعور پیدا کیا جائے۔اپنے آپ کو تیار کیا جائے کہ وہ اعلیٰ جماعت، جو صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہ، علمائے ربانیین کی ہے، اس کی جامعیت کے ان پہلوؤں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا کر دنیا وآخرت کی کامیابی کے لیے کردار ادا کیا جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انصاف کی تحریکات؛ توقعات اور حقائق

محمد عباس شاد

مصر، ترکی، تیونس اور دیگر عرب ممالک میں انصاف اور جسٹس پارٹیوں کے نام نہاد انقلاب کے بعد اسی سے ملتے جلتے عنوان کے ساتھ پاکستان میں بھی آج کل انصاف کی تحریکات کا بڑا چلن ہے۔ 30/اکتوبر 2011ء کو لاہور اور 25/دسمبر 2011ء کو کراچی میں انصاف کی تحریک کے نام پر ہونے والے جلسوں میں نوجوانوں کی بھرپور شرکت کے سبب ''انصاف'' اور ''عدل'' کے عنوانات نے میڈیا کی بڑی توجہ حاصل کر لی ہے۔ اس سے متعلق عوامی توقعات بھی آسمان کو چھو رہی ہیں۔ ہر سو اِس طرح کی کامیابیوں کے تذکرے اور چرچے ہیں۔

ایسے میں اس تحریک اور پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال کو سمجھنا بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ آخر اس تحریک کی مقبولیت کا راز کیا ہے۔ اور اس کا انجام کار کیا ہونے والا ہے۔ ہمارے ہاں تحریکوں کی مقبولیت حقائق سے زیادہ جذبات سے جڑی ہوتی ہے۔ اور اس طرح کی مقبولیت کے کئی ایک دور ہماری تاریخ میں آ چکے ہیں۔ لوگ جماعتوں سے امیدیں باندھتے ہیں۔ لیڈروں کو کندھوں پر اٹھاتے ہیں اور توقعات پوری نہ ہونے پر زمین پر پٹخ دیتے ہیں۔ اور پھر کسی نئے ہیرو کا انتظار کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور شاید ابھی ان کا وہ ہیرو نہیں آیا، جو ان کے مسائل کی جڑ، بنیاد کو سمجھ کر ان دکھوں، صدموں سے نجات دلا دے، جس میں وہ چونسٹھ سالوں سے جی رہے ہیں۔ اور ان کے وہ ارمان پورے کر دے، جسے وہ مدتوں پہلے سینوں سے لگائے پھرتے ہیں۔

چونسٹھ سال قبل جب ہم پاکستان لینے جا رہے تھے تو ہمارے لوگوں نے اس وقت بھی بہت سہانے خواب دیکھے تھے اور خود مختار مسلم ریاست بنانے کے ہمارے رومانس نے کتنے ہی حقائق کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا تھا، لیکن آج اسی جگہ، جہاں ہمیں آزاد اور خود مختار ملک بنا کر دینے کا ہماری قیادت نے وعدہ کیا تھا، ہم ایک جدید نوآبادیاتی غلامی کے شکار ملک کے باسی ہیں۔ ایسے ہی 1967ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو کا طوطی بولنا شروع ہوا۔ انھوں نے عدل و مساوات کے نام پر بھوکی، ننگی اور بے گھر قوم کو روٹی، کپڑے اور مکان کا سلوگن دیا تو قوم نے ان کو اپنا نجات دہندہ تصور کر لیا تھا۔ غریب کے جھونپڑے اور مزدور کی سائیکل پر پیپلز پارٹی کے جھنڈوں نے آج سے زیادہ خوش نما منظر پیش کیا تھا۔ بھٹو کے جیالوں کی تین دفعہ حکومت آ چکی، لیکن روٹی، کپڑا، مکان مانگنے والے بھوکے پیٹ کفن اوڑھے قبروں میں جا سوئے۔ اور ان کے بچے کسی نئے بھٹو کی تلاش میں مینار پاکستان اور کراچی کے جلسوں میں پھر نئے خواب سجائے بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد جمہوریت اور انقلاب کی ستائی قوم کو جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام عدل کا نسخہ تجویز کیا تو ہماری مذہبی جماعتیں انھیں دلائل سمجھانے لگیں کہ ''مارشل لا عین اسلام ہے۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلا مارشل لا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لگایا تھا۔'' قوم 11 سال تک اپنے اسلامی نظام عدل کے خواب کی تعبیر ڈھونڈتی رہی، لیکن مایوسی کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ بلکہ اس کے نتیجے میں ہمیں ہیروئن، چرس، بم دھماکے اور دہشت گردی ملی۔ جس سے آج جان چھڑائے بھی نہیں چھوٹ رہی۔

دُور نہ جائیے! کل کی بات ہے، عدلیہ بحالی تحریک میں ہمیں کم خواب آور گولیاں دی گئی تھیں۔ اس تحریک کو جذبات کے پیمانے سے ناپا گیا اور اس سے اختلاف کو سیاسی کفر سمجھا جاتا تھا۔ گلی محلے انصاف کی عدالتیں لگتی دکھائی گئی تھیں۔ گھروں کے دروازوں پر انصاف بٹتا ہوا دکھایا گیا تھا، لیکن آج پانی، بجلی، گیس سے محروم، بموں، گولوں سے زخمی قوم کے چیف جسٹس ''میموگیٹ'' اور ''این آر او'' کے سیاسی مقدموں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

ہر دور میں ایک نئی جماعت، نیا نعرہ اور تازہ فلسفہ، دراصل بیدار ہوتی قوم کے لیے وہ نشہ آور دوائیں ہوتی ہیں، جو اسے پلا دی جاتی ہیں اور قوم مزید دس سال کے لیے امید کی نیند سو جاتی ہے۔ اس کے جاگنے سے پہلے پھر کوئی نیا نظریہ، نعرہ اور طفل تسلی کا بندوبست موجود ہوتا ہے۔ آج کے لیڈر بھی اسی پُرانے اور روایتی سیاسی نظام کے بھان متی قبیلے کے ساتھ قوم کو انقلاب کا تحفہ دینے آئے ہیں۔ ان کے قریشی اور ہاشمی اسی نظام کے گھسے پٹے مہرے ہیں، جنھوں نے مارشل لا کے دور کی وزارتوں کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور جمہوری اسمبلیوں کو بھی انجوائے کر چکے ہیں۔ اب ''انصاف کی تحریک'' کو بھی ہضم کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ ان کی پوری ٹیم وفاداریاں بدلنے کا ناقابل تردید ریکارڈ رکھتی ہے۔ ایسی ٹیم کے ساتھ انقلاب کی باتیں کچے گھڑے پر سوار ہو کر دریا پار کرنے کے مترادف ہے۔ ان لیڈروں کے پاس دعوے تو بہت ہیں، لیکن وہ حقائق سے کوسوں دور کھڑے ہیں۔ وہ بات ''انقلاب''، ''سونامی'' اور ''تبدیلی'' کی کرتے ہیں، لیکن جو ٹیم انھوں نے تیار نہیں، بلکہ وصول کی ہے، وہ اسی سرمایہ دارانہ نظام کی پروردہ ہے، جو عوام کے مسائل کی اصل وجہ ہے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا جو غول ان کی جماعت میں آیا ہے، اس نے اس متوسط طبقے کو پیچھے دھکیل دیا ہے، جو سرمایہ داری نظام کی حامل دو جماعتوں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن سے مایوس ہو کر ان کی پارٹی میں آیا تھا۔ یہ لوگ اس انتخابی نظام سے انقلاب درآمد کرنا چاہتے ہیں، جو دراصل جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جس الیکشن میں تین کروڑ سے زائد سرمایہ خرچ ہوتا ہو، غریب اور متوسط طبقہ اُسے کیسے لڑ سکتا ہے۔ رہی بات جلسوں میں پولیس اور پٹواریوں کے ظلم، مہنگائی اور کرپشن کو ختم کرنے کی! وہ تو آج کا ہر سرمایہ دار غریب کو فریب دینے کے لیے ماؤزے تنگ اور کاسترو جیسی تقریریں کرتا ہے، لیکن مہنگائی، بے روزگاری اور کرپشن پیدا کرنے والے نظام کو ختم کرنے کی بات نہیں کرتا۔ آج قوم کا صرف لوڈ شیڈنگ اور کرپشن اکیلا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ لیڈر یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ وہ سرطان کی طرح پھیلے اس زہر کو کیسے نکالیں گے، جس نے ہماری تعلیم، معیشت، تجارت، صحت، خارجہ، داخلہ پالیسی اور امن و امان کی صورت حال، الغرض! پوری زندگی کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے سارے مسائل چونسٹھ سال سے موجود سرمایہ داری نظام کی وجہ سے ہیں، جو ہمارے اوپر مسلط ہے۔

پاکستان کا موجودہ بحران دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا بحران ہے، جسے پُرانی سیاسی جماعتیں حل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اور نئے لیڈروں کو نئے سیاسی نظام میں ایک آپشن کے طور پر آزمانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چھوٹا سرمایہ دار اور تاجر طبقہ موجودہ بحران سے بے حد متاثر ہوا ہے۔ وہ انصاف کی تحریک کو ایک کامیاب آپشن سمجھ کر اس کی حمایت کر رہا ہے۔ وہ ان خوف ناک کرائسز سے نکلنا چاہ رہا ہے، لیکن نظام کی تبدیلی کے بغیر یہ بحران ٹلنے والا نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کہ صدر اور وزیراعظم کی کرسی پر زرداری اور گیلانی کے بجائے عمران خان اور شاہ محمود قریشی کو بٹھا دیا جائے۔ اس کا واحد اور پائے دار حل ایک مکمل انقلابی تبدیلی ہے، جو اس قسم کی انصاف کی تحریکوں کے ایجنڈے کا حصہ نہیں ہے۔ ایسی تحریک انصاف ایک عارضی سہارے کے طور پر تو شاید کچھ عرصہ اس نظام کو آگے دھکیل سکے، اور ٹیکسوں کا کوئی نیا نظام وضع کر سکے، جو اسٹیبلشمنٹ کے روزمرّہ معاملات پر اٹھنے والے اخراجات کو پورا کر سکے۔ کیوں کہ پُرانی پارٹیاں اپنے فرسودہ اور خاندانی اجارہ داریوں کی بنیاد پر بالکل ناکارہ ہو چکی ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ کو ایک تازہ دم دستے کی ضرورت ہے، جو آنے والے حالات میں ان کا ساتھ دے سکے۔

وفیات — حضرت مولانا نواب عشرت علی قیصرؒ کا سانحۂ ارتحال

مفتی عبدالخالق آزاد

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے تیسرے مسند نشین حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کے حقیقی تایازاد بھائی نواب لیاقت حسین نواب آف ریاست مینڈھو کے پوتے حضرت مولانا نواب عشرت علی قیصرؒ، مؤرخہ یکم رجنوری 2012ء کی شب کراچی میں انتقال کر گئے۔ آپ کی عمر تقریباً 95 سال تھی۔ اسی دن بعد نمازِ ظہر آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور دارالعلوم کراچی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کا آبائی تعلق ہندوستان کے صوبہ ہریانہ کے قصبہ گمتھلہ (ضلع کرنال) سے تھا۔ آپ کے دادا ریاست مینڈھو کے نواب تھے۔ آپ کے والدِ گرامی انڈین سول سروس میں بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود انتہائی عبادت گزار، متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ آپؒ کی والدہ محترمہ کا تعلق راقم سطور کے آبائی قصبے ''سکروڈھ'' (ضلع سہارن پور) سے تھا۔ وہ بھی انتہائی عبادت گزار اور خدمتِ انسانیت کا جذبہ رکھنے والی خاتون تھیں۔

آپ نے دینی تعلیم اس ریاست کے مشہور مدرسہ یوسفیہ میں حاصل کی تھی، جسے نواب یوسف علی خان نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسے میں ولی اللّٰہی سلسلے کے اکابرین کے تاریخی واقعات پر مشتمل کتاب ''ارواحِ ثلاثہ'' کے راوی مولانا امیر خان صاحب تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے دورہ حدیث تک پوری تعلیم اسی مدرسے سے مکمل کی تھی۔ آپ انتہائی عابد، زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ طریقت میں آپ اور آپ کے والدِ گرامی کا تعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سلسلے سے تھا۔ خود حضرت مولانا مرحوم، تھانوی سلسلے کے بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپؒ نے تمام عمر اپنے مریدین اور متعلقین کے قلوب کی اصلاح، سلسلۂ طریقت کو پھیلانے کا شغل جاری رکھا۔ آپؒ کراچی کے اکثر دینی مدارس کی سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ رشتے میں آپ کے دادا ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے پاس بھی وقتاً فوقتاً آپ کا آنا جانا رہا۔ نیز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے بھی بڑی محبت رہی اور تعلق رکھا۔ کراچی اور اسلام آباد میں جب بھی حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کا دورہ ہوا اور وہاں حضرت مولانا مرحوم تشریف فرما ہوتے، تو ضرور ملاقات ہوتی تھی۔ گزشتہ سال اپریل میں اسلام آباد کے دورے کے دوران آپ سے کئی گھنٹے ملاقات ہوئی۔ اگرچہ آپ بیماری کی وجہ سے کافی معذور ہو چکے تھے، لیکن حضرت اقدس رائے پوری کے قریبی تعلق کی وجہ سے بہت دیر تک تشریف فرما رہے۔ حضرت اقدس رائے پوری سے ادارہ رحیمیہ اور سلسلۂ عالیہ رحیمیہ کے کام کی تفصیلات معلوم کرتے رہے اور اس کام کی پوری پوری تائید فرمائی۔ پھر بڑی توجہ سے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے پھیلاؤ کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ آمین!

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

براہِ راست سوالات پوچھنے کے لیے رابطہ کریں: 0321-4431184

سوال (1): ایک شخص کی بہن زکوٰۃ کی مستحق ہے۔ کیا وہ شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنی بہن کو دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ ڈاکٹر حارث بن اختر، خیر پور ٹامے والی

جواب: بہن زکوٰۃ کی مستحق اور ضرورت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا زیادہ افضل ہے۔

سوال (2): امام نمازِ وتر کی تیسری رکعت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا اور دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا۔ نماز کے آخر میں اس نے سجدہ سہو کر لیا، لیکن کچھ مقتدی اندھیرے یا بینائی کی کمزوری کی وجہ سے امام کے ساتھ رکوع میں نہ گئے اور انھوں نے دعائے قنوت پڑھنی شروع کر دی۔ جب امام سجدے میں گیا تو وہ بھی سجدے میں چلے گئے۔ تو کیا ایسے مقتدی، جنھوں نے امام کے ساتھ بھول کر رکوع نہیں کیا اور سجدہ سہو بھی کیا ہے، ان کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ نفیس مبارک، قصور

جواب: جن لوگوں نے نماز کی ایک رکعت کے رکوع کو چھوڑ دیا، سجدہ سہو کرنے سے بھی ان کی نماز درست نہ ہوگی۔ اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

سوال (3): ایک ایسا شخص، جو وضو کر رہا تھا اور حافظ قرآن تھا، اس نے اونچی آواز سے امام صاحب کو لقمہ دیا اور امام صاحب نے سن کر قرأت درست کر لی تو کیا ایسی حالت میں نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟ حافظ ہارون الرشید، لاہور

جواب: امام صاحب نماز کی قرأت کرتے ہوئے بھول جائیں تو اگر قرأت کا لازمی حصہ (سورہ فاتحہ کے علاوہ تین آیات یا ایک بڑی آیت) پڑھ چکے ہیں تو قرأت کی تصحیح نہ کر سکیں تو ان کو رکوع میں چلے جانا چاہیے۔ جب کہ قرأت قرآن کا لازمی حصہ پڑھنے سے قبل بھول جانے کی صورت میں دوسری سورتِ قرآنی کی طرف منتقل ہو کر فریضۂ قرأت مکمل کریں۔ لیکن اگر کوئی مقتدی اس آیت کو اونچی آواز سے پڑھ دیتا ہے۔ اور امام صاحب آیت کی تصحیح کر لیتے ہیں تو کچھ حرج نہیں، لیکن ایک ایسا شخص، جو امام کے ساتھ نماز میں شریک نہیں، امام صاحب کو لقمہ دے دے اور امام صاحب اس کے لقمے کو قبول کر لیتے ہیں تو امام صاحب اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

سوال (4): ایک شخص نے اپنے موبائل سے ایس ایم ایس کر کے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں۔ کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟ محمد عارف، کشمیر

جواب: طلاق دینے والا اگر یہ اعتراف کرتا ہے کہ یہ ایس ایم ایس اس نے ہی بھیجا ہے تو اس کی بیوی کو تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
محترم سید خالد ریاض بخاری (واہ کینٹ)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام ''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔